یزید بن معاویہ

کا "فتنہ" اور اس کی حقیقت



تالیف

ابو المحبوب سید انور شاہ راشدی

المکتبۃ العالیۃ العلمیۃ
بیرجندہ سند


بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[یزید بن معاویہ کا"فتنہ"اوراس کی حقیقت]

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، أما بعد!

چند دن قبل ایک تحریر بعنوان "یزید بن معاویہ کا فتنہ" نظر سے گذری، جسے سوشل میڈیا پر نشر کیا گیا، مضمون نگار نے اس تحریر میں مستدرک حاکم سے درج ذیل حدیث نقل کر کے ائمہ سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہوئے یزید بن معاویہ کو فتنہ گر و فتنہ باز ثابت کرنے کی سعی کی،ازاں بعد بعض أہل علم و فضلاء نے راقم کو اس پر ناقدانہ تبصرہ لکھنے کی ترغیب دی، سوان کے اصرار اوران کی حوصلہ افزائی نیز تعاون اوراللہ تعالی کے فضل و کرم سے حسب استطاعت اس پوری تحریر کا منہج محدثین کے مطابق جائزہ لیا جارہاہے،اہل انصاف سے عدل وانصاف کی توقع رکھتے ہوئے علمی و تحقیقی انداز میں یہ ناقدانہ تبصرہ قارئین کے گوش گذار کرتے ہیں۔

اللهم أرناالحق حقا وارزقنااتباعه،وأرناالباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، اللهم آمین۔

مضمون نگار لکھتے ہیں:

"امام ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری (المتوفی: ۴۰۵ھ) روایت کرتے ہیں:

"أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْمَحْبُوبِيُّ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْعُودٍ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَنْبَأَ ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الْآيَاتُ خَرَزَاتٌ مَنْظُومَاتٌ فِي سِلْكٍ، يُقْطَعُ السِّلْكُ فَيَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضًا» قَالَ خَالِدُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ: كُنَّا نَادِينَ بِالصَّبَاحِ، وَهُنَاكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، وَكَانَ هُنَاكَ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي الْمُغِيرَةِ يُقَالُ لَهَا: فَاطِمَةُ، فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ: «ذَاكَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ» ، فَقَالَتْ: أَكَذَاكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو تَجِدُهُ مَكْتُوبًا فِي الْكِتَابِ؟ قَالَ: «لَا

أَجِدُهُ بِاسْمِهِ وَلَكِنْ أَجِدُ رَجُلًا مِنْ شَجَرَةِ مُعَاوِيَةَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ، وَيُسْتَحَلُّ الْأَمْوَالَ، وَينْقُضُ هَذَا الْبَيْتَ حَجَرًا حَجَرًا، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ وَأَنَا حَيٌّ وَإِلَّا فَاذْكُرِينِي» ، قَالَ: " وَكَانَ مَنْزِلُهَا عَلَى أَبِي قُبَيْسٍ، فَلَمَّا كَانَ زَمَنُ الْحَجَّاجِ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَرَأَتِ الْبَيْتَ يُنْقَضُ، قَالَتْ: رَحِمَ اللَّهُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو قَدْ كَانَ حَدَّثَنَا بِهَذَا "

ترجمہ: حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: فتنے تو ایسی ہے کہ بیجوں (یعنی پیڑ سے نکلنے والے بیج) کو کسی کسی دھاگے میں جوڑ دیا جائے۔ جیسے ہی دھاگا ٹوٹے گا، سارے بیج تمام ادھر ادھر بکھر جائیں گے"۔ (اسی طرح ایک فتنہ کی بنیاد ڈلنے سے فتنے ہی فتنے آتے ہیں) خالد بن الحویرث کہتے ہیں کہ وہ اذانِ فجر دے رہے تھے اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی

موجود تھے اور بنی مغیرہ کی ایک عورت بھی موجود تھی۔ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص کو کہتے ہوئے سنا: وہ یزید بن معاویہ ہی (ان فتنوں کی بنیاد ڈالنے والا) ہے۔ (یعنی اس سے فتنوں کی ابتداء ہوئی جو جاری رہی اور بڑھتی رہی) یہ کہتے ہی اس عورت نے ان سے پوچھا: آپ نے کیا کسی کتاب میں اسے لکھا ہوا دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! میں نے نام کے ساتھ تو نہیں دیکھا مجھے یقین ہے کہ معاویہؓ کی اولاد میں سے ایک شخص عوام کا بری طرح قتل کرے گا۔ عوام کا مال وہ غیر شرعی طرز پر ضبط کرلیگا اور کعبہ کو تباہ کرنے کی کوشش میں وہ اس کے ہر پتھر کو اس سے علیحدہ کرے گا۔ اگر یہ میری حیات ہی میں ہو جاتا ہے تو صحیح ہے مگر اگر یہ میری وفات کے بعد ہوتا ہے تو مجھے یاد رکھنا۔ خالد بن الحویرث کہتے ہیں کہ اس عورت کا گھر جبلِ ابو قبیس پر

تھا۔ جب ابن زبیرؓ اور حجاج کا وقت آیا تو کعبہ اس حال ہی میں تھا کہ وہ ٹوٹ چکا تھا۔ (جس ٹوٹنے کی ابتداء یزید بن معاویہ کی حکومت کے آخر میں ہوئی تھی جب اہل شام مکّہ میں آکر لڑے تھے) اس عورت نے کہا: اللہ کی رحمت ہو عبداللہ بن عمروؓ پر جنہوں نے ہمیں پہلے ہی اس کے متعلق بتادیا تھا۔

[المستدرک علی الصحیحین، جلد ۴، صفحہ نمبر ۵۲۰، رقم:۸۴۶۱]

اس کے بعد اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کی سند کو مندرجہ ذیل آئمہ نے صحیح یا جیّد قرار دیا:

---

1. امام حاکم نے صحیح کہا

2. امام محمد بن یوسف الصالحہ الشامی (المتوفی: ۹۴۲ھ) نے اس کی سند کو جیّد کہا۔

[سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، جلد ۱۰، صفحه نمبر ۸۹]

3. علامہ البوصیری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو جیّد قرار دیا۔

[إتحاف الخيرة، جلد ۷، صفحه نمبر ۱۱۲، برقم :۷۶۱۱]

4. علّامہ ابن حجرؒ نے بھی اس کو جیّد قرار دیا ہے۔

[المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، جلد ۸، صفحه نمبر ۱۰۴، رقم :
۲۴۷۲]

جیّد کا مطلب اچھی یا عمدہ سند ہے۔ گویا چار آئمہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اس حدیث کی متابعت و شواہد بھی موجود ہیں جو اس کو اور بھی مضبوط اور قوی کر دیتے ہیں۔

علامہ البوصیری رحمہ اللہ اس کی سند کی تصحیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وله شاهد من حديث أنس رواه الحاكم وصححه وابن حبان في صحيحه من حديث ابي هريرة“

ترجمہ: اس حدیث کی متابعت ایک حدیثِ انس بن مالکؓ ہے، جس کو حاکم نے روایت کیااوراس کی تصحیح کی،اس کے علاوہ ابن حبان نے ابوہریرہؓ سے بھی اس کو نقل کیا۔

[إتحاف الخيرة، جلد ٧، صفحه ١١٣، برقم :٧٢١١]

اس روایت کی ایک متابعت امام احمد بن حنبل کی مسند میں بھی موجود ہے۔

[مسند أحمد ط الرسالة، جلد ١١، صفحه نمبر ٦١٧، رقم :٤٠٤٠]

اوراس کی متابعت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہے۔

[المصنف لابن ابی شیبه، جلد ٨، كتاب الفتن، صفحه نمبر ٦١٧، رقم: ١٦٦ و رقم :٣٨٤٢٩]

تبصـــرہ:

محترم قارئین! درج بالاروایت پر ہم پردوطرح سے بحث کرتے ہیں،یعنی سنداو متناً،کہ یہ روایت سنداً و متناًہر دو طرح سے ہی ضعیف اور نکارت سے لبریزہے۔

اسنادی بحث

اولاً: موصوف نے روایت کے مصححین میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کو بھی شامل فرمایاہے،اور ان سے ان کی یہ تصحیح "المطالب العالیۃ" سے نقل کی ہے، جبکہ تلاش بسیار کے باوجود ہمیں ان کی یہ تصحیح اس کتاب میں نہیں مل سکی،امید ہے ابن حجر کی تصحیح سے استفادہ کا موقعہ دیاجائے گا۔

ثانیاً: امام حاکم تصحیح و تحسین میں متساہل واقع ہوئے ہیں، یہاں ان کی تصحیح دلائل کی روسے درست نہیں، جیساکہ آگے اس پر تفصیل آرہی ہے۔امام بوصیری نے درج بالامصدر میں واقعتاً المستدرک کی اس روایت کی سند کوجید قرار دیاہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ صحتِ سند صحتِ حدیث کو مستلزم

نہیں، گویاامام بوصیری کو بھی مصححین حدیث میں شمار کرنا محض نمبر بڑھانے کے مترادف ہے۔ نیز اس روایت کی سند بھی جید نہیں، بلکہ ضعیف ہی ہے۔

رہے امام محمد بن یوسف الصالحہ، تو وہ دسویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، وہ ائمہ نقد میں سے نہیں، لہذا انہیں بھی اس روایت کے مصححین میں شمار کرنا محض نمبر بڑھانے کے مترادف ہے۔

گویا اس طرح پیچھے صرف امام حاکم باقی رہتے ہیں، اور امام حاکم پر تساہل کا الزام عائد ہے، لہذا یہاں ان کی تصحیح محل نظر ہے۔

سند کے بعض رواۃ پر کلام

1 فاطمۃ من بنی المغیرۃ

اس عورت کا مجھے کہیں ترجمہ نظر نہیں آیا، اور نہ ہی کسی محدث سے نصاً کوئی توثیق نظر آئی، اور اس سے روایت کرنے والا صرف خالد بن الحویرث ہے، نیز اس سے اس روایت کا ایک ہی حصہ مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

② خالد بن الحویرث

اس راوی کا پورا نسب نامہ یہ ہے:

خالد بن الحویرث القرشی، المخزومی، المکی۔

یہ راوی صرف عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے ہی روایت کرتا ہے، اور غالباً اس سے صرف دو ہی روایات مروی ہیں۔ البتہ بتصریح ابن حجر محمد ابن سیرین بھی ان سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں، کما صرح بہ الحافظ فی التھذیب علیٰ ماسیأتی۔

ائمہ کی تصریحات کے مطابق اس سے صرف دو (یا تین) راوی ہی روایت کرتے ہیں، ایک اس کا بیٹا محمد دوسرا علی بن زید بن جدعان، یہ صراحت درج ذیل ائمہ نے کی ہے:

امام ابو حاتم رازی (الجرح والتعدیل: ج ۱، ق ۳۲۴، ۲ر قم ۱۴۵۸)

امام عبد الغنی المقدسی (الکمال فی اسماء الرجال: ۴، ۳۴۰)

امام مزی (تہذیب الکمال (۸، ۴۱)

حافظ ذہبی (میزان الاعتدال: الکاشف: ۳۴۰، ۲، ۳۴۱)

حافظ ابن حجر (تہذیب التہذیب: ۳، ۷۳)

جب ائمہ نے صراحت کر دی کہ خالد سے صرف دو ہی راوی روایت کرتے ہیں، یعنی اس کا بیٹا محمد اور علی بن زید بن جدعان، اول مجہول اور ثانی الذکر ضعیف ہے، جبکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ زیرِ تبصرہ روایت میں عبداللہ ابن عون بھی خالد سے روایت کر رہا ہے، اور یہ تیسرا راوی ہے، مگر ہمارے نزدیک ابن عون، خالد سے ڈائریکٹ روایت نہیں کرتے، یعنی وہ خالد کے شاگردوں میں نہیں، بلکہ وہ بواسطہ خالد سے روایت کرتا ہے،، اور یہ واسطہ علی بن زید کا ہے، کیونکہ وہ بھی اس سے یہی روایت بیان کرتے ہیں، اور ان ہی سے یہ روایت مشہور ہے، ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۞ ائمہ نقد کو احادیث، اسانید ورواۃ کا ملکہ اور معرفت تھی، وہ حدیث کے مختلف طرق پر آگاہ ہوتے تھے، بعض دفعہ کوئی حدیث کسی خاص راوی سے

معروف ہوتی ہے، جو کہ صرف ایک ہی مرکزی راوی کے گرد گھومتی ہے، اور خاص اسی معروف طریقے سے ہی عندالمحدثین مشہور ہوتی ہے، مگر بعض رواۃ کی غلطی سے (یا عمدا) وہ حد غرابت سے نکل کر عزیز بن جاتی ہے، یعنی رواۃ اس حدیث کو اس پہلے راوی کے علاوہ دوسرے راوی سے بھی روایت کر بیٹھتے ہیں، بعد والے لوگ اس دوسرے راوی والے طریق کو مستقل طریق سمجھ کر اس پہلے طریق کے لئے متابع اور شاہد تصور کر لیتے ہیں، جبکہ فی الحقیقہ اس دوسرے طریق کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، محض غلطی سے یا بعض دفعہ سند میں انقطاع کی وجہ سے اصل اور مرکزی یعنی پہلے طریق والا راوی حذف ہو کر وہ مستقل طریق ہو جاتا ہے، یہی صورتحال زیر تبصرہ روایت کے ساتھ ہے، حدیث ''الآیات خرزات'' محدثین کے یہاں علی بن زید بن جدعان کے طریق سے ہی مشہور ہے، ابن عون دراصل علی بن جدعان سے روایت کرتے ہیں، اور علی بن جدعان خالد سے روایت کرتے ہیں، مگر مستدرک حاکم میں علی کا یہ واسطہ حذف ہو کر علی کے بجائے ابن عون کا خالد کا استاد بن گیا، اس طرح گویا خالد سے روایت کرنے میں ابن عون کے ساتھ علی بن جدعان بھی شامل ہو گئے، یعنی علی

بن جدعان کی متابعت ثابت ہو گئی، مسند احمد کے محقق شیخ شعیب ارناؤوط نے مسند احمد (٦١٨/١٥) کی تحقیق میں اسے متابعت مانا بھی ہے، جو کہ سراسر وہم ہے، کیونکہ ائمہ اس روایت کو صرف علی بن جدعان کے واسطہ ہی سے جانتے ہیں، مستدرک حاکم میں اس کا گر کر ابن عون کا مستقل اور الگ طریق بن جانا یعنی علی بن جدعان کا متابع بن جانا محض وہم ہے، ،امام بخاری نے التاریخ الکبیر میں یہ روایت بروایت حماد بن سلمۃ عن علی بن زید کے ہی روایت کی ہے،، مسند احمد ومصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر کتب احادیث میں بھی یہ روایت بروایت حماد عن علی بن زید سے ہی مروی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ائمہ مثل امام عبدالغنی المقدسی نے (الکمال :٣٧٧/٧) میں ،امام مزی نے (تہذیب الکمال :١٥، ٣٩٥، ٣٩٦) میں ابن عون کے شیوخ میں خالد کے بجائے علی بن زید کا ہی ذکر کیاہے، نیزابن حجر نے (تہذیب التہذیب :٧، ٢٨٣) میں علی بن زید کے تلامذہ میں ابن عون کاذکر کیاہے، جواس بات کا قوی ثبوت ہے کہ امام مقدسی، امام مزی، اور حافظ ابن حجر تینوں ائمہ ہی خالد اور ابن عون کواستاد وشاگرد نہیں سمجھتے، بلکہ ابن عون اور علی بن زید کواستاد وشاگرد سمجھتے ہیں، مقام غور ہے کہ

ائمہ جب ابن عون اور علی بن زید کے استاد اور شاگرد ہونے کی صراحت کررہے ہیں تو آخر وہ کونسی روایت ہے جس میں ابن عون ، علی بن زید سے روایت کررہے ہیں ؟، راقم کو تاحال المستدرک والی روایت کے علاوہ کوئی ایسی روایت نظر نہیں آئی جس میں ابن عون ، علی سے روایت کررہے ہوں، اب یا تو یہ سمجھ لیا جائے کہ چونکہ یہ روایت علی بن زید کے طریق سے ہی شہرت رکھتی ہے، ان ائمہ نے اسی بناپر ابن عون اور علی کو ایک دوسرے کا استاد وشاگرد بتلایا، یا پھر ممکن ہے انہیں یہ روایت ابن عون ، عن خالد کے بجائے ابن عون عن علی کے واسطے سے ہی ملی ہو، ان کے علاوہ اور بھی وجوہات ہوسکتی ہیں، بہر کیف وجہ جو بھی ہو ائمہ نقد کے ہاں ابن عون ڈائریکٹ خالد سے روایت نہیں کرتے ، بلکہ بواسطہ علی کے روایت کرتے ہیں، اب علی کے واسطہ کا المستدرک میں نہ ہونا سقط کی وجہ سے ہے یا ابن عون کا ارسال ہے، یا مابعد والے رواۃ سے یہ غلطی ہوئی، اس کا ہمیں صحیح ادراک نہیں تاہم ائمہ کی تصریحات سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ بہر حال ابن عون ڈائریکٹ خالد سے روایت نہیں کرتے یعنی وہ خالد کے شاگردوں میں سے نہیں بلکہ وہ علی بن جدعان کے شاگرد

ہیں اور انہی کے واسطہ سے خالد سے روایت کرتے ہیں، اور علی بن جدعان ضعیف ہیں، وھذاھوالمطلوب عندنا، وللّٰہ الحمد۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقال اشہل :حدثناابن عون ،امرمحمد :سل خالد بن الحویرث ماقال عبداللہ ابن عمروفی الملک"

[التاریخ الکبیر:۳، ۱۳۲]

تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر اسی روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وذکرالبخاری فی التاریخ روایۃابن عون عن محمدبن سیرین عنہ"

[تہذیب التہذیب: ۳، ۷۳]

اب یہاں دیکھیں! التاریخ الکبیر والی روایت کے مطابق ابن عون اور خالد کے درمیان محمد بن سیرین کاواسطہ ہے،ابن عون محمد بن سیرین سے اور وہ خالد سے روایت کررہے ہیں، یہاں سے بھی ثابت ہوگیاکہ ابن عون خالد سے

ڈائریکٹ روایت نہیں کرتے، بلکہ بواسطہ علی بن جدعان کے روایت کرتے ہیں بلکہ بہت حد تک ممکن ہے کہ امام بخاری بھی ابن عون کا خالد سے واسطہ سے روایت کرنے کا اظہار کررہے ہوں، کیونکہ عام طور پر امام بخاری رواۃ کے روایت کرنے یعنی سماع وعدم سماع کے حوالے سے بہت احتیاط اپناتے ہیں، واللہ اعلم۔

خالد بن الحویرث جرح وتعدیل کے پیمانے میں

❀ خالد بن الحویرث کا جب ہم جرح وتعدیل کے پیمانے کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کا ضعف ہی راجح معلوم ہوتا ہے، ما قبل میں گذرا کہ اس سے روایت کرنے والے صرف دو ہی رواۃ ہیں، اس کا بیٹا محمد، اور علی بن زید، اول مجہول (یامستور) جبکہ دوسرا ضعیف ہے، جب روایت کرنے والے صرف دو ہوں، اور وہ بھی نا قابل حجت ونا قابل اعتماد ہوں، تو پھر خالد آخر ثقہ کیسے اور کس روایت میں ؟، بقول ابن حبان راوی سے جب ثقہ کے علاوہ صرف ضعیف

اور مجہول ہی روایت کرتے ہوں تو ایسا راوی کبھی بھی حدِ جہالت سے نہیں نکل سکتا، آپ فرماتے ہیں:

" الشیخ اذا لم یرو عنه ثقة فهو مجهول لا یجوز الاحتجاج به، لان روایة الضعیف لا تخرج من لیس بعدل عن حد المجهولین الي جملة اهل العدالة ،لان ما روی الضعیف وما لم یرو في الحکم سیان"

"اگر کسی راوی سے کوئی ثقہ راوی روایت نہیں کر رہا، تو وہ حد جہالت سے نہیں نکلتا بلکہ وہ مجہول ہی رہتا ہے، جس کی خبر سے احتجاج درست نہیں، کیونکہ ضعیف راوی ایسی پوزیشن والا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی روایت سے غیر عادل (راوی) کو جہالت سے نکال کر عدالت والوں میں شامل کر سکے، کیونکہ ضعیف (راوی) کا روایت کرنا اور نہ کرنا برابر ہے"

[المجروحین: ۷-۳۲۸-۳۲۷، ترجمہ سعید بن زیاد بن فائد]

خالد سے بھی کوئی ثقہ راوی روایت نہیں کرتا، (الابتصریح ابن حجر محمد بن سیرین) لہذا اس اعتبار سے یہ حد جہالت سے نہیں نہیں نکلے گا۔

۞ خالد سے صرف دو ہی روایات مروی ہیں: ایک زیر تبصرہ روایت، دوسری حدیث الارنب، حدیث الارنب کو ائمہ نے منکر قرار دیا ہے، خالد کی اس روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ پر خرگوش پیش کیا گیا تو آپ اس کے کھانے سے رک گئے، وجہ یہ فرمائی کہ: اسے حیض نہیں آتا، امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

" حدَّثنا يحيي بن خَلَفٍ، حدَّثنا رَوحُ بنُ عُبادةَ، حدَّثنا محمدُ بنُ خالد، قال: سمعتُ أبي خالدَ بنَ الحُوَيرث: أن عَبدَ الله بن عمرو كان بالصِّفَاحِ -قال محمد: مكانٍ بمكة-: وأنَّ رجلاً جاء بأرنب قد صَادَها، فقال: يا عبدَ الله بن عمرو، ما تقولُ؟ قال: قد جِيءَ بها إلى رسولِ الله - صلَّى الله عليه وسلم - وأنا جالِسٌ فلم يأكلها ولم يَنْهَ عن أكلها، وزَعَم أنها تَحِيضُ"

[سنن ابی داؤد:رقم الحدیث : ۳۷۹۲]

اسی حدیث سے قبل امام داؤد انس بن مالک سے روایت لائے ہیں، جس میں ہے کہ خرگوش پکا کر آپ ﷺ کو بھیجا گیا، جسے آپ نے قبول فرمالیا، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

" حدَّثنا موسى بنُ إسماعيلَ، حدَّثنا حماد، عن هشامِ بن زيدعن أنسِ بنِ مالك، قال: كُنتُ غلاماً حَزَوَّراً فصِدْتُ أرنباً، فشَوَيتُها، فبَعَثَ معي أبو طلحة بعَجُزِها إلى النبيِّ -صلَّى الله عليه وسلم-، فأتيتُه بها"

[سنن ابی داؤد: رقم الحدیث :۳۷۹۱]

امام صاحب کا خالد کی روایت کو ذکر کرنے سے قبل اس روایت کو لانے کا مقصد خالد کی روایت میں موجود نکارت کو واضح کرنا ہے، نیز انس بن مالک کی یہی روایت صحیح بخاری، کتاب الہبۃ، باب قبول الصدقۃ کے تحت (رقم الحدیث :۲۵۷۲) بھی مذکور ہے، اس میں آپ ﷺ کا خرگوش قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اسے کھانے کا بھی ذکر ہے، جب صحیح بلکہ صحیح بخاری کی حدیث میں آپ ﷺ کے خرگوش کھانے کی صراحت ہے تو ظاہر ہے خالد کی حدیث اس سے ٹکرا رہی رہے، اس لیے اس کا منکر ہونا بالکل واضح ہے، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال (۲۴۱٦/۱) میں بھی اس کے منکر ہونے کا اشارہ کیا ہے۔

درج بالا تفصیل دینے کا یہ مقصد ہے کہ جب خالد صرف دو روایات کا ہی راوی ہے، اور ان میں سے ایک کو ائمہ نے منکر وضعیف کہا ہے، اور فی الحقیقہ وہ منکر ہے بھی، تو پھر اس کا حافظہ کیسا کہ اسے ثقہ کہہ کر اس کی دوسری حدیث کو صحیح سمجھ لیا جائے، یہیں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کا حافظہ ٹھیک نہیں، دو روایات میں سے ایک کی غلطی کو ائمہ نے واضح کر دیا، تو ایسے میں اس کی

باقی بیان کردہ روایت میں کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے! یعنی دو روایات میں سے ایک روایت بھی ٹھیک طرح سے بیان نہ کر سکا، باقی کی اس سے کیا امید رکھی جاسکتی ہے، نیز یہ اصول میں طے ہے کہ روایات کے تناسب سے راوی کی جرح وتعدیل کی جاتی ہے، اگر راوی کثیر الروایہ ہے، اور غلطیاں اس کی روایات میں بہت کم اور نادر ہیں، تو ایسا روای عندالمحدثین ثقہ وصدوق ہے، مگر جو راوی قلیل الروایۃ ہونے کے باوجود بھی غلطیاں کرتا ہے تو ایسا راوی عندالمحدثین مجروح وضعیف ہے، کیونکہ کم روایات کے باجود بھی ان کا ضبط نہ کر سکا، لہذا اس کا ضبط درست نہیں، خالد کے ضبط کے ساتھ ساتھ اس کی عدالت بھی زیر بحث ہے، وہ بھی ثابت نہیں۔

خالد کے بارے ائمہ نقد کی رائے

❁ امام بخاری، (التاریخ الکبیر: ۳/ ۱۳۲) ابو حاتم رازی، (الجرح والتعدیل: ۳۲۴/۱) اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں۔

❀ امام ابن معین نے اسے غیر معروف قرار دیا ہے، چنانچہ امام ابن عدی فرماتے ہیں:

"وخالد هذا کماقال ابن معین : لایعرف، واناالااعرفه ایضا"

[الکامل: ۳، ۹۱۰]

❀ امام ابن عدی نے جیسا کہ گذرا، ابن معین کی متابعت میں اسے غیر معروف قرار دیا ہے۔

❀ حافظ ذہبی نے الکاشف میں "وثق" کہہ کر غالباً امام ابن حبان کی توثیق (یعنی کتاب الثقات میں مذکور ہونا) کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز اسے میزان الاعتدال میں درج کر کے اس کی خرگوش والی روایت کو منکر باور کراتے ہوئے اسے (خالد کو) ضعیف قرار دیا ہے، المغنی (۲۰۲/۱) میں اگرچہ انہوں نے اسے درج کر کے اسے صدوق قرار دیا ہے۔ مگر یہ ان کی پہلی رائے ہے، کیونکہ المغنی، میزان الاعتدال سے پہلے کی تصنیف ہے، گویا میزان میں اپنے ما قبل والے مؤقف سے رجوع کر چکے، واللہ اعلم۔

❀ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۳/۷۳) میں ابن معین کا حکم نقل کر کے اس پر سکوت فرمایا،اور تقریب التہذیب (۲۸۵) میں اسے مقبول قرار دیا،یعنی متابعت کے قابل ہے،احتجاج کے نہیں،اور اس کی متابعت موجود نہیں۔کما سیأتی

درج بالا ائمہ کے نزدیک خالد ضعیف اور مجہول ہے،اور اس کی بیان کردہ روایت ضعیف ہے،نہ کہ صحیح۔یہ ائمہ ناقدین فن اور جرح وتعدیل کے امام ہیں،ان کے برعکس اکیلے صرف امام حاکم کا اس کی حدیث کو صحیح اور امام بوصیری کا اس کی سند کو جید قرار دینا کیا اہمیت رکھتا ہے،اول تصحیح میں متساہل جب کہ ثانی الذکر متاخر ہونے کے ساتھ ساتھ ممکن ہے ان کا اعتماد حاکم کی تصحیح پر ہی ہو،بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خالد کی حقیقت یہ ہے جو ما قبل میں ہم نے واضح کی،تو امام حاکم اور امام بوصیری دیگر ائمہ کے برعکس (جنہوں نے اس کی تضعیف کی یا اسے مجہول کہا) نے اس کے کن حالات پر مطلع اور باخبر ہو گئے اور اس کی توثیق کر دی،جبکہ دیگر ائمہ اس سے بے خبر رہے! جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خالد کا پورا حال آپ قارئین کے سامنے ہے،کیا ایسا راوی ثقاہت کے درجے کا لائق

ہے کہ دیگر کبار ائمہ کو چھوڑ کر امام حاکم اور امام بوصیری کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی توثیق کو ہی راجح اور درست مان لیا جائے؟ یہ فیصلہ ہم قارئین پر ہی چھوڑتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حق ان ائمہ کے ساتھ ہے جنہوں نے خالد کو ضعیف یا مجہول قرار دیا، کیونکہ وہ صرف دو روایات کا ہی راوی ہے، ایک کی غلطی کو ائمہ نے واضح کر دیا، اور حقیقت بھی یہی ہے، جیسا کہ درج بالا سطور میں ہم اس پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ باقی پیچھے ایک یعنی زیر تبصرہ روایت بچتی ہے، اس کے بھی متن میں شدید نکارت موجود ہے تو اب یہ راوی ثقہ کہاں سے ہو سکتا ہے کہ امام حاکم کی تصحیح کو قبول کرتے ہوئے اسے ثقہ مان لیں، یہیں سے امام حاکم کے تساہل فی المستدرک کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کیسے کیسے رواۃ کی حدیث کی تصحیح اور توثیق کرتے ہیں!

اس روایت کے متابع اور شاہد کی حیثیت

مضمون نگار نے امام بوصیری سے اس کے شاہد کے ہونے کا بھی نقل کیا ہے،امام بوصیری کے الفاظ ہیں:

”وله شاهد من حديث أنس رواه الحاكم وصححه وإبن حبان في صحيحه من حديث ابي هريرة“

یعنی اس حدیث، حدیث عبداللہ ابن عمرو کے دو شاہد ہیں،ایک انس بن مالک اور دوسرا ابوہریرہ (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے،ذیل میں ہم دونوں پر گفتگو کرتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان شواہد کی حیثیت کیا ہے،ان میں شاہد بننے کی صلاحیت بھی ہے کہ نہیں۔

روایت انس بن مالک

امام حاکم فرماتے ہیں:

” أخبرناابوعمرو عثمان بن احمد بن السماک الزاهد ،ببغداد ثناحنبل بن اسحاق بن حنبل ،ثنا موسیٰ بن اسمٰعيل ،ثناحماد بن سلمة، عن حميد، عن انس رضی الله عنه :أن رسول الله ﷺ قال : الأمارات خرزات

منظومات بسلک فاذاانقطع السلک تبع بعضه بعضا"هذاحدیث صحیح علیٰ شرط مسلم ولم یخرجاہ"

[مستدرک حاکم: ۲،۵۴۶]

اُولاً: یہ روایت مختصر ہے، حدیث ابن عمرو والا تفصیلی قصہ اس میں نہیں جو کہ دراصل محل شاہد ہے لہذا تفصیلی قصہ کے لئے اسے شاہد قرار دیناقطعاًدرست نہیں،البتہ جتنے الفاظ حدیث ابن عمرو کے ہونگے ،انہی کے لئے شاہد بن سکتی ہے،نہ کہ تفصیلی قصہ کے لئے۔

ثانیاً: یہ طریق معلول ہے،اس کاانس بن مالک سے مروی ہونادرست نہیں،بلکہ فی الحقیقہ یہ ابن عمرو کاہی طریق ہے،راوی کی غلطی سے طریق انس ہوگیا۔دراُصل حماد بن سلمہ سے اس روایت کو تین رواۃ یعنی مؤمل بن اسماعیل ، یزید بن ہارون ،اور روح بن عبادۃ بواسطہ علی بن زید عن خالد بن الحویرث عن عبداللہ ابن عمرو کے روایت کرتے ہیں،جبکہ اکیلے موسیٰ بن اسماعیل،اسے بواسطہ حماد عن حمید عن انس کے روایت کرتے ہیں۔

مؤمل بن اسماعیل کا طریق مسند احمد (۱۱/۶۱۷، رقم الحدیث: ۷۰۴۰) میں یزید بن ہارون کا طریق مصنف ابن ابی شیبہ (۳۸۴۲۹) میں جبکہ روح بن عبادۃ کا طریق امام بخاری کی التاریخ الکبیر (۳/۱۳۲) میں مروی ہے۔

یزید بن ہارون ثقہ، ثبت، روح بن عبادہ ثقہ جبکہ مؤمل بن اسماعیل کم از کم صدوق درجہ کا راوی ہے، لہذا یہ پوری جماعت موسیٰ بن اسمعیل (ثقہ و ثبت) کے مدمقابل کھڑی ہے، اور وہ موسیٰ کی مخالفت کر رہی ہے، سو ثابت ہوا کہ یہ طریق دراصل طریق ابن عمرو ہی ہے الگ سے یعنی انس بن مالک سے مروی نہیں، محض راوی کی غلطی سے طریق ابن عمرو سے بدل کر طریق انس ہو گیا، لہذا یہ طریق تو سرے سے شاہد بھی بننے کے قابل نہیں، واللہ اعلم۔

روایت انس بن مالک

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أخبرناابویعلی، قال: حدثناابوالربیع الزهرانی، قال: حدثناأبی، قال حدثنا هشام بن حسان، عن ابن سیرین، عن ابی هریرة، قال: قال رسول اللہ ﷺ: "خروج الآیات بعضهاعلی بعض تتباعن كماتتابع الخرز"

[صحيح ابن حبان:۲۸،۱۵،رقم الحديث:۶۸۳۳]

اولا: یہ روایت بھی مختصر ہے، تفصیلی قصہ اس میں بھی نہیں۔

ثانیا: یہ روایت بھی معلول ہے، یہ در حقیقت ابوالعالیۃ کا قول ہے، جسے راوی نے بروایت ابی ہریرہ مرفوع بنادیاہے،امام ابن الجوزی العلل المتناہیۃ میں امام دارقطنی سے نقل کرتے ہیں:

"وهم ابوالربيع،وانمارواه هشام بن حسان عن حفصة بنت سيرين عن ابی العالية قوله"

[العلل المتناهية:۳۷۱،۲،رقم الحديث:۱۴۲۹]

لہذاحدیث ابی ہریرۃ اور حدیث انس دونوں ہی معلول ہوئے، جن کی کوئی حیثیت نہیں، شاہدبنناتودور کی بات،اور بالفرض اگرانہیں شاہدمان بھی لیاجائے تب بھی تفصیلی قصہ ان میں نہیں کہ انہیں شاہدقراردیاجاسکے۔

متن پر بحث

اولا: مضمون نگار نے مکتبہ شاملہ سے نقل کرکے اس کے متن پر غور نہیں کیا، کہ اس میں کتنی اعرابی اغلاط موجود ہیں، جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے، اسی لیے جو غلطیاں متن میں درج ہیں ترجمہ کرتے ہوئے اغلاط کے شکار ہو گئے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے متن روایت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، ورنہ قاری بآسانی معلوم کر سکتا ہے کہ روایت پر لگی اعراب سیاق وسباق سے بالکل میل نہیں کھاتیں، جس کے لئے ہمیں موصوف پر نہایت افسوس اور تعجب ہے! موصوف پر لازم تھا کہ شاملہ کے ساتھ ساتھ اصل کتاب بھی پیشِ نظر رکھتے تاکہ روایت کے درست اور صحیح الفاظ پر اطلاع ہو جاتی۔

ثانیاً: موصوف نے روایت کی تشریح میں اپنی مرضی ومن مانی سے دلپسند اور من چاہے بریکٹس میں جو اضافہ کیا، یہ سراسر ان کی زیادتی اور تحریف فی المعنیٰ ہے، عبداللہ ابن عمرو کے الفاظ:" فَلَمَّا كَانَ زَمَنُ الْحَجَّاجِ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَرَأَتِ الْبَيْتَ يُنْقَضُ"کو بریکٹس دے کر یوں تشریح کی: "جس ٹوٹنے کی ابتداء یزید بن معاویہ کی حکومت کے آخر میں ہوئی تھی جب اہل شام مکّہ میں آکر لڑے تھے"

مقام غور ہے کہ کیا کعبۃ اللہ الحرام وسعت میں اتنا بڑا تھا کہ ٹوٹنے کی ابتدا عہد یزید کے آخر میں، جبکہ ٹوٹنے کی انتہا عہد حجاج میں ہوئی! نیز جب عہد یزید میں کعبۃ اللہ الحرام کا ہر پتھر ہی ٹوٹ کر گر پڑے گا تو تو پھر باقی پیچھے بچے گا کیا جسے حجاج آکر توڑے گا؟ یعنی کسی نہ کسی طرح اس روایت میں یزید کو مجرم اور کعبۃ اللہ الحرام پر حملہ آور ثابت کرنا ہی کرنا ہے، قارئین سے التماس ہے کہ بریکٹس میں موصوف کے اضافہ کو ختم کرکے پھر روایت کو پڑھیں روایت کے اصل الفاظ کے اعتبار سے یزید کا یہاں رہنا ٹھیک ہے یا اس کے بغیر درست مفہوم نکلتا ہے، روایت واضح طور بتلا رہی ہے کہ ''کعبۃ اللہ الحرام کا ٹوٹنا'' عہد حجاج سے ہوا، جب یہ فاطمہ نامی عورت ہی خود کہہ رہی ہے کہ ایسا عہد حجاج میں ہی ہوا، گویا وہ اس ٹوٹنے کی ابتدا کے متعلق بھی بتلا رہی ہے، تو ایسے میں موصوف کو یہ کہاں سے حق مل گیا کہ روایت کے اپنے متعین مفہوم سے ہٹ کر اپنی طرف سے کوئی جڑ تو مفہوم اس میں بطور تشریح فٹ کریں؟

ثالثاً: اہل انصاف سے التماس ہے کہ موصوف کے اس اضافے کو حذف کرکے پھر روایت پڑھیں کہ روایت کا یہ پیشین گوئی واقع ہونے والا حصہ روایت کے

ماقبل والے پشین گوئی کرنے والے حصے سے بالکل میل اور مطابقت رکھتا ہے، ابن عمرو کی پشین گوئی کے مطابق تو کعبۃ اللہ الحرام کو تباہ کرنے والے یزید ہونگے، مگر جب پشین گوئی کے واقع ہونے کا وقت آیا تو عہد یزید کے بجائے عہد ابن زبیر اور حجاج کو اس کا مصداق بنالیا گیا، فاطمہ نامی عورت انہی کے عہد کو پشین گوئی کا مصداق بنارہی ہیں، کہ حجاج کے دور میں جب کعبۃ اللہ کو تباہ کیا جارہا تھا تب فاطمہ نے یہ کہا کہ عبداللہ ابن عمرو کی پشین گوئی پوری ہوگئی، بندہ پوچھے کہ پشین گوئی یزید کے متعلق کی جارہی ہے، اور اس کا مصداق حجاج کو بنایا جارہا ہے! ان دنوں باتوں میں بھلا ربط نام کی کوئی چیز ہے، جو اس دھڑلے سے یزید کو فتنہ گر ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، نیز پشین گوئی میں لوگوں کا ناجائز مال لوٹنے اور بری طرح قتل کرنے کا بھی ذکر ہے، مگر اس کا بھی کوئی اتا پتا نہیں، اور نہ ہی ان کا مصداق یزید کو باور کرایا گیا۔

رابعاً: نبی کے علاوہ کوئی امتی پشین گوئی کیسے کر سکتا ہے، اور یہ پشین گوئی بھی ایک ایسا صحابی کر رہا ہے جس کا والد یعنی عمرو بن العاص ایک عرصہ تک مملکتی معاملات میں حضرت معاویہ کے ساتھ رہا، یہ پشین گوئی ایک غیبی خبر کے متعلق

ہے،اور ایسی پیشین گوئی ایک نبی ہی کر سکتاہے،جس کاسارامدار وحی پر ہوتاہے، عبداللہ ابن عمرو کے پاس ایسی کیا چیز تھی کہ جس کے ذریعے انہوں نے اس حدیث کامصداق یزید کوبنایا؟روایت میں تو ہے کہ انہوں نے محض اپنے ذاتی اجتہاد سے ہی یزید کاتعین کیاہے،عبداللہ ابن عمرو سے فاطمہ نامی عورت نے یزید کے تعین کے حوالے سے جب پوچھا:

"آپ نے کیا کتاب میں اسے لکھا ہوا دیکھا ہے؟تو انہوں نے جواب دیا کہ: نہیں! میں نے نام کے ساتھ تو نہیں دیکھا، مگر میں یقین سے کہتا ہوں ہے کہ یہ شخص معاویہؓ کی اولاد میں سے ہو گا"

یہاں دیکھا جاسکتاہے کہ عورت نے جب پوچھا کہ کیا یہ نام کا تعین کتاب میں ہے ؟ جس پر انہوں نے محض اپنااجتہاد اور یقین پیش کیا،سوال ہے کہ کیا کسی امتی کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی غیبی امر کی تعیین کرتے ہوئے کسی شخصیت کو نامزد کردے ؟انہیں حضرت معاویہؓ کی صلب میں ہی یہ کیوں نظر آیااور کس بنیاد پر نظر آیا؟مزید یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ

"(معاویہ رضی اللہ کی صلب میں سے)یہ شخص عوام کا بھی بری طرح قتل کرے گا، عوام کے مال پر بھی ناحق قبضہ کرے گا،اور کعبۃ اللہ الحرام کو تباہ کرتے ہوئے ہر پتھر کو دوسرے پتھر سے علیحدہ کردے گا" یہ تینوں باتیں بھی عبداللہ ابن عمرو اپنے اجتہاد اور اور یقین سے کہہ رہے ہیں،نہ کہ کسی مرفوع حدیث سے،عبداللہ ابن عمرو کو مستقبل کی یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ،یہ شخص قتل وغارت بھی کرے گا،لوگوں کا مال بھی لوٹے گا،کعبۃ اللہ الحرام کو بھی تباہ کرے گا" یہ ساری باتیں پشین گوئی سے کہی جارہی ہیں،اور ان کی اساس اور بنیاد کوئی مرفوع حدیث نہیں،بلکہ محض صحابی کا اجتہاد ہے،حافظ ابن حجر نے بھی اتحاف المھرۃ میں اسے (عبداللہ ابن عمرو) پرموقوف ہی قرار دیا ہے،تو بتلایا جائے کہ ایسا اجتہاد یا پشین گوئی کرنے کا حق نبی اور صاحب وحی کو ہے یا امتی بھی اس کا اختیار رکھتا ہے؟چونکہ یہ خبر اور شخص کا تعین واضح طور پر غیبی امور سے سے متعلق ہیں،یا تو ماننا پڑے گا کہ امتی بھی غیب دان اور مستقبل کی پشین گوئی کر سکتا ہے۔

حاصل یہ یہ ہے کہ یہ شخص کا تعین اور پشین گوئی کا تعلق غیبی امور میں سے ہے، لہذاااایک امتی یہ سب کچھ کیسے کہہ سکتا ہے؟اس کا ہمیں جواب عنایت کیا جائے۔

خامساً: عبداللہ ابن عمرو تو وہ جلیل القدر صحابی اور حق گو ہیں جو جنگ صفین میں بغیر کسی رعایت اور نرمی کے اپنے والد عمرو بن العاص کو حضرت معاویہ کے سامنے آپ ﷺ کی عمار بن یاسر کے قاتل اور فئہ باغیہ کے بارے حدیث (مسند احمد : ۹۶/۱۵، رقم الحدیث:۶۵۳۸) اور وعید سنادیتے ہیں، کسی قسم کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، مگر کیا وجہ ہے کہ اگر انہیں حضرت معاویہ کے فرزند جلیل کے متعلق یقین تھا یا حدیث مرفوع ہوتی کہ وہ ایسا کرے گا ویسا کرے گا، آپ ان سے الگ ہو جائے، یا کم از کم تنبیہا تو بیان کر دیتے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عمرو نے نہ اپنے والد سے یہ حدیث یا اپنا اجتہاد پیش کیا، جہاں اسے پیش کرنے کی ضرورت تھی، اور نہ ہی کسی جانے پہچانے شخص یا صحابہ کی جماعت کے سامنے اسے رکھا، لیکن کیا وجہ ہے کہ یہ پشین گوئی وہ ایسے لوگوں سے بیان کرتے ہیں کہ جن کا اپنا بھی کوئی اتا پتا نہیں، انہیں کوئی

جانتا تک نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں،اور ابن عمرو ہیں کہ عرصہ دراز کے بعد ان سے یہ پشین گوئی بیان کرتے ہیں، ہے نہ سوچنے کی بات۔

سادساً: اس روایت میں فتنوں کی ابتدا یزید سے بتائی گئی ہے جبکہ دیگر صحیح احادیث مثل بخاری و مسلم میں جو فتنے بتائے گئے ہیں وہ تو یزید سے پہلے ہی واقع ہو چکے تھے، مثلا حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش، جنگ جمل و صفین اور خوارج کا خروج وغیرہ بہت سارے فتنے ہیں، تو یہ سارے واقعات تو یزید سے پہلے ہی واقع ہو چکے تھے اور بزبان رسول اللہ ﷺ انہیں فتنہ ہی قرار دیا جا چکا تھا مگر اس روایت میں فتنوں کی ابتدا یزید کے اعمال سے ہونے کی طرف اشارہ ہے، یہ واضح تناقض ہے۔

سابعا: اس روایت میں یزید کے دور میں ہونے والے واقعہ حرہ کی طرف اشارہ ہے، کہ اس کے دور میں ایسا ہو گا، عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ: اگر میں اس وقت زندہ رہا تو ٹھیک، ورنہ (اے عورت) تم مجھے یاد کرنا، روایت کے الفاظ ہیں "وَيَنْقُضُ هَذَا الْبَيْتَ حَجَرًا حَجَرًا، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ وَأَنَا حَيٌّ وَإِلَّا فَاذْكُرِينِي»

ائمہ کے ہاں اس کے سن وفات میں اختلاف ہے، بعض (۶۳ھ) واقعہ حرہ کا بتاتے ہیں، ابن حجر کے مطابق ابن حبان اسے ہی درست سمجھتے ہیں، ایک قول (۶۵ھ) کا ہے، ایک (۶۸ھ) کا ہے، ایک (۷۳ھ) کا ہے، ایک (۷۷ھ) کا ہے، ہمارے نزدیک ان کا سن وفات (۶۵ھ) راجح ہے، یہ رائے ابن الجوزی (المنتظم: ۶/ ۴۷) سمیت کئی ائمہ کا ہے، ابو عمر الکندی اپنی تاریخ میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ سنہ (۶۵ھ) کو اکدر بن حمام قتل ہوا تھا، اسی دن ہی عمرو ابن العاص شام میں فوت ہوئے تھے۔

[کتاب الولاۃ: ۶۴۵]

اس سے ثابت ہوا کہ جب ابن عمرو نے بھی واقعہ حرہ کا مشاہدہ کیا ہے، اور وہ اس واقعہ کے بھی دو سال بعد فوت ہوئے ہیں، تو پھر روایت کا مدعا تو یہی واضح کر رہا ہے کہ ابن عمرو واقعہ حرہ سے پہلے فوت ہو گئے تھے، لیکن تعجب بالائے تعجب کہ فاطمہ نامی عورت کو ابن عمرو کی یہ پیشین گوئی عہد حجاج اور عہد ابن زبیر کے وقت یاد آتی ہے، اور اس وقت ابن عمرو کو یاد کرتے ہوئے افسردہ حالت میں وہ زبان پر یہ الفاظ :" رَحِمَ اللَّهُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو قَدْ كَانَ حَدَّثَنَا بِهَذَا" لاتی

ہے، بندہ پوچھے جب ابن عمرو واقعہ حرہ کے وقت بقید حیات تھے، تب انہوں نے اپنی پیشین گوئی کے واقع ہونے کے متعلق اظہار خیال کیوں نہ کیا، وہ تو فرما چکے تھے کہ : اگر میں اس واقعہ کے وقت زندہ رہا'' تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں اگر یہ واقعہ رونما ہو جائے تو ابن عمرو کا طرز عمل یا رد عمل کیا ہونا چاہیئے ؟ اور فاطمہ نامی عورت اگر اس (واقعہ حرہ کے) وقت ابن عمرو کے الفاظ یاد کرتیں تو پھر ابن عمرو کے بقید حیات رہنے کا کیا جواب دیا جاتا؟ نیز جب پیشین گوئی اسی واقعہ کے متعلق ہے تو پھر اس کا مصداق عہد حجاج کو کیوں قرار دیا گیا؟ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ روایت کس قدر تناقضات سے لبریز ہے ! روایت کا اول و آخر ایک دوسرے سے ٹکرا رہا ہے، اول و آخر میں نہ کوئی مطابقت ہے اور نہ ہی کوئی ربط۔

میں تو اس پوزیشن میں نہیں کہ اس روایت کو موضوع و من گھڑت کہوں، مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ روایت خود ہی وضعیت پر ببانگ دہل دلالت کر رہی ہے۔

كما لا يخفى على من تأمل فيما مضى!

مگر افسوس ہے ان لوگوں کی پر جو اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے نشر کر کے یزید کے متعلق برا تاثر قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف عمل ہیں، مگر اس روایت میں موجود نکارت سے یکسر بے خبر ہو جاتے ہیں!

خلاصہ کلام: درج بالا تمام سطور کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ حدیث ابن عمرو سنداو متناہر دو لحاظ سے ضعیف و منکر ہے،اس میں ایک راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف جبکہ دوسرا راوی خالد بن الحویرث ضعیف و مجہول ہے،اور اس کا متن بھی نکارت سے لبریز ہے، نیز تائید میں پیش کردہ دونوں شواہد معلول وضعیف ہیں، جو کہ فی الحقیقہ (اگر انہیں صحیح یا حسن مان بھی لیا جائے) پیش کردہ قصہ کے شاہد بھی نہیں بنتے۔لہذا اسی بنا پر یزید کو فتنہ گر قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔واللہ اعلم

قد انتهيت من تأليفه بعد صلاة العشاء ليلة الخميس لاثنى عشرليلة مضت من شهر المحرم الحرام سنة ١٣٤٠ للهجرة الموافق ٢٠١٩،٩،١١ للميلاد، ولله الحمد۔

ابو المحبوب سید انور شاہ راشدی الحسینی